کم سن بچوں کی شادیاں

مفتی محمد سعید خان

صحیح بخاری میں حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا جب کہ ان کی عمر چھ برس کی تھی اور پھر نو برس میں ان کی رخصتی ہوئی اور مزید نو برس انہوں نے رفاقت نبوی میں گذارے۔[1]

گویا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا جب انتقال ہوا ہے تو ان کی عمر اٹھارہ برس تھی۔

اس واقعے پر بہت سے غیر مسلم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اتنی کم عمر لڑکی سے شادی کیوں کی گئی؟

اس اعتراض کا جواب ہر دور میں مسلمان مؤرخین اور سیرت نگاروں نے برابر دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسے غیر مسلم معترضین یا تو ان جوابات کو پڑھتے نہیں اور یا پھر یہ جوابات ان کی زبان میں ان تک نہیں پہنچے اور یا یہ کہ ہر دور کی ان کی نئی نسل اس اعتراض کو پڑھتی اور جڑتی ہے اور ان سے پہلے کے دور میں جو جوابات تحریر کیے گئے ہوتے ہیں، وہ انہیں سنجیدگی سے پڑھتے نہیں اور یا پھر یہ کہ اس اعتراض کو محض برائے اعتراض ہی کیا جاتا ہے۔

منجملہ اور جوابات کے ایک جواب یہ بھی ہے کہ اگر ہم سنجیدگی سے اس ماحول کا جائزہ لیں، جس ماحول میں یہ شادی ہوئی تو پھر یہ اعتراض ختم ہو جانا چاہیے۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری رفعت شان

---

[1] عن عائشه رضي اللّٰه عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم تزوجها وهي بنت ست سنين ، وأدخلت عليه وهي بنت تسع، ومكثت عنده تسعاً. (كتاب النكاح ، باب إنكاح الرجل ولده الصغار، رقم الحديث:٥١٣٣)

کے باوجود جس معاشرے میں زندگی بسر کر رہے تھے، اسی معاشرے کی صحیح اور اعلیٰ اقدار اور روایات کے بہرحال پابند تھے۔ عمومی طور پر بکریوں، گائے اور اونٹنی کا دودھ استعمال ہوتا تھا چنانچہ آپ بھی وہی دودھ استعمال کرتے تھے، اب اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ آپ نے بھینس کا دودھ کیوں نہیں پیا تو ظاہر ہے کہ وہاں کے معاشرے میں نہ بھینس پائی جاتی تھی اور نہ ہی اس کا دودھ استعمال کیا جاتا تھا۔ آٹے کو پانی سے گوندھ کر کبھی فتیر اور کبھی اس آٹے کا خمیر اٹھا کر اس سے خمیری روٹی پکائی جاتی تھی[1]۔ اور آپ بھی وہ فتیری اور خمیری روٹی کھاتے تھے۔ اب کوئی یہ کہے کہ اس دور میں آٹے کو دودھ سے کیوں نہیں گوندھا گیا اور نہایت ملائم روٹیاں کیوں نہ تیار کی گئیں تو ظاہر ہے کہ اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ وہاں پر یہ معاشرت تھی ہی نہیں اور اس دور کا تمدن ان علاقوں میں اتنا ترقی یافتہ نہیں تھا۔

اس دور میں مکانات عام طور پر یک منزلہ اور دو منزلہ بنتے تھے۔ تیسری منزل نہیں ہوتی تھی۔ دو منزلہ مکانات کا ذکر متعدد روایات میں ملتا ہے[2]۔ اب کوئی یہ اعتراض کرتا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے سہ منزلہ مکانات کے بنانے کا حکم کیوں نہیں دیا یا اس دور میں ایسے مکانات کیوں نہیں بنتے تھے تو اس سے یہ کہا جائے گا کہ ہر دور کا اپنا ایک تہذیب وتمدن اور اس کا اپنا ایک خاص رنگ ڈھنگ ہوتا

---

[1] صحیح مسلم کی کتاب النکاح میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے معاملے میں یہ تذکرہ آیا ہے کہ وہ آٹے کا خمیر اٹھا رہی تھیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: قال فانطلق زيد حتى أتاها وهي تخمر عجينها.(باب : زواج زينب بنت جحش ، رقم الحديث:١٤٢٨)

[2] عن افلح ، مولى أبي أيوب ، عن أبي أيوب : أن النبي ﷺ نزل عليه، فنزل النبي ﷺ في السفل ، وأبو أيوب في العلو، قال فانتبه أبو أيوب ليلة ، فقال : نمشي فوق رأس رسول الله ﷺ! فتنحوا، فباتوا في جانب ، ثم قال للنبي ﷺ، فقال النبي ﷺ: السفل أرفق، فقال : لا أعلو سقيفة أنت تحتها، فتحول النبي ﷺ في العلو، وأبو أيوب في السفل.(صحيح المسلم ، كتاب الاشربة ، باب إباحة أكل الثوم ، رقم الحديث: ٢٠٥٣).

ہے، جسے باقی ادوار حتٰی کہ باقی ممالک اور علاقوں پر بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

ایسے ہی اس معاشرے میں نکاح اور ازدواجی زندگی کے اپنے طور طریقے اور معاشرتی اقدار تھیں، اگر کوئی شخص انہی اقدار کے مطابق ایک نکاح کرتا ہے تو پھر آخر وہی شخص کیوں مورد الزام ہے، باقی تمام معاشرہ کیوں نہیں؟ حضرت رسالت مآب ﷺ نے اس تہذیب وتمدن اور معاشرت میں صرف ان صورتوں اور احکامات کو تبدیل فرمایا تھا، جو اللہ تعالیٰ نے انہیں بذریعہ وحی حکم دیا تھا اور یا پھر یہ کہ آپ نے اجتہاد فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس اجتہاد کی سرًا یا علانیۃً تصویب فرمادی تھی۔ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' اور علامہ عبدالعلی صاحب مدراسی رحمۃ اللہ علیہ کا کتاب ''مسلم الثبوت'' پر حاشیہ ''فواتح الرحموت'' جس نے بھی غور سے پڑھا ہے، اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

اس دور میں لوگ اپنی کم عمر بچیوں کا نکاح بڑی عمر کے مردوں سے کیا کرتے تھے اور یہ بات ان کے معاشرے میں ہر طرح سے قابل قبول تھی۔ نہ ہی کوئی عیب شمار کیا جاتا تھا اور نہ ہی لوگ اسے کسی درجے میں بھی خلاف تہذیب یا بُرا جانتے تھے۔ تاریخ اٹھائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نکاح کے علاوہ بھی کتنے ہی نکاح لڑکوں اور لڑکیوں کی کم عمری ہی میں ہوئے تھے مثلاً

① حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قریش مکہ کے عظماء میں شمار کیے جاتے تھے یہ، حضرت خالد بن ولید اور حضرت عثمان بن طلحہ جن کے پاس بیت اللہ کی چابی رہتی تھی ـــــ تینوں اکٹھے ۸ھ کے اوائل میں مدینہ منورہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے تھے اور ان کا شمار قریش کے ان چند سرداروں میں ہوتا تھا، جن کی فطانت اور احتیاط ضرب المثل تھی، ان کے والد عاص بن وائل بن سعید بن سہم نے ـــــ جو غزوہ بدر میں بحالت کفر ہی مارے گئے تھے ـــــ انہوں

نے اس عمرو بن العاص کا نکاح اس وقت کر دیا تھا جب ان کا بیٹا تقریباً دس برس کا تھا۔ عمرو بن عاص بن وائل سہمی کا یہ سنجوگ رائطہ بنت الحجاج بن منبہ السہمیہ سے ٹھہرا اور اس کے نتیجے میں اگلے برس جب ان کے ہاں پہلے بیٹے کی پیدائش ہوئی تو باپ (عمرو بن العاص) اور بیٹے کی عمر میں تقریباً گیارہ برس کا فرق تھا۔ انہوں نے اپنے اس بیٹے کا نام عبداللہ رکھا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے اس بیٹے کا نام اپنے والد (عاص) کے نام پر ''عاص'' ہی رکھا، لیکن جب ان کے اس بیٹے نے اسلام قبول کیا تو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام کو بدل دیا اور ''عاص'' کی بجائے ''عبداللہ'' تجویز فرمایا[1]۔ اور یہی وہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما ہیں، جن کا تذکرہ کتب احادیث وتاریخ میں کثرت سے ملتا ہے۔

غور طلب بات ہے کہ یہ شادی اس عرب معاشرے کی ایک شادی ہے، جس میں ابھی اسلام کی اور کفر کی تفریق شروع نہیں ہوتی تھی چنانچہ ایک عرب (عاص بن وائل بن سہم) اپنے بیٹے (عمرو بن العاص) کی شادی اس وقت کر رہا ہے جب اس کے بیٹے کی کل عمر تقریبا دس برس ہے۔

(۲) کریز بن ربیعہ زمانۂ جاہلیت کے مشہور سرداروں میں سے ایک تھے اور ان کی شادی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو پھوپھی بیضاء بنت عبدالمطلب سے ہوئی تھی۔ جب ان کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تو انہوں نے اس کا نام ''اروی'' رکھا، اس رشتے پر غور کیا جائے تو یہ اروی رضی اللہ عنہا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن ہوئیں اور پھر ان کی شادی، عفان سے ہوئی جن کے صاحبزادے امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ اس رشتے کے اعتبار سے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن (اروی رضی اللہ عنہا) کے بیٹے یعنی گویا کہ آپ کے بھانجے ہوئے۔

پھر انہی کریز اور بیضاء بنت عبدالمطلب کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا اور انہوں نے ان کا نام عامر بن کریز

[1] اس بحث کے لیے ملاحظہ ہو سیر اعلام النبلاء، رقم: ۷اعبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما، ج:۳، ص:۷۹.

رکھا۔اب یہ عامر بن کریز بھی حضرت رسالت مآب ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حقیقی ماموں ہوئے۔

حضرت رسالت مآب ﷺ کے یہ پھوپھی زاد بھائی عامر بن کریز فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے لیکن دین کے اختلاف کے باوجود، ان تمام خاندانوں کے آپس کے رشتے منقطع نہیں ہوئے تھے۔اتنی لڑائیوں اور فتح وشکست کے باوجود یہ تمام حضرات اپنی اپنی رشتے داریوں کا بہت خیال رکھتے تھے اور پھر حضرت رسالت مآب ﷺ تو سب سے بڑھ کر رشتوں کو جوڑنے والے ایک اور مشفق باپ کا منصب رکھتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ آپ جب ۷ھ میں عمرۃ القضاء کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے ہیں تو آپ کے یہ پھوپھی زاد بھائی عامر بن کریز، جن کی عمر اس وقت بمشکل چار برس تھی، کو لے کر حاضر ہوئے۔آپ نے اپنے اس بھتیجے، کم سن عبداللہ بن عامر کو نہایت خوشی سے اپنی گود میں اٹھالیا۔حد درجہ محبت سے اپنا لعاب مبارک اس بچے کے منہ میں ڈالا۔عامر بن عبداللہ، چھوٹا سا لڑکا اس نے جمائی لینے کے لیے منہ کھولا اور حضرت رسالت مآب ﷺ نے دوبارہ اس معصوم منہ کے کھلنے پر اپنا لعاب مبارک ڈالا اور فرمایا کیا یہ سُلَمِیُوں کا بیٹا ہے؟[1] عرض کیا گیا کہ جی ایسے ہی ہے تو ارشاد فرمایا:

هذا ابننا ، وهو أشبهكم بنا ، وهو مُسْقىً .

(تاريخ دمشق ، رقم ٣٤٣٩، عبدالله بن عامر بن كريز،حرف العين فى اسماء العبادله ، ج:٣١،ص:١٦٦)

پھر تو یہ (عبداللہ بن عامر بن کریز) ہمارا بیٹا ہے اور دیکھو تو تم میں سے اس کی شکل وصورت ہم سے کتنی ملتی جلتی ہے اور یہ بچہ تو بہت سیراب کرنے والا ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما کو دوبارہ پیش کیا گیا اور اس وقت، اس بچے کی عمر تقریباً پانچ

---

[1] یہ غالباً اس نسبت سے فرمایا تھا کہ حضرت عامر بن کریز رضی اللہ عنہ نے دجاجہ بنت اسماء سے شادی کی تھی اور ان سے اس بیٹے عبداللہ نے جنم لیا تھا اور دجاجہ بنت اسماء کی گیارہویں پشت میں ایک صاحب آتے ہیں جن کا نام سلیم تھا تو اس بچے (عبداللہ بن عامر) کو اپنے ننھیال کی نسبت سے ارشاد فرمایا کہ کیا یہ ''سُلَمِیُوں'' کا بیٹا ہے۔

برس تھی تو اب اس کے والد حضرت عامر بن کریز رضی اللہ عنہ نے اسلام بھی قبول کیا اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ اس بچے کے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈالا تو اس بچے نے جلدی سے وہ مبارک لعاب نگل لیا۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ بیٹا تو بہت لوگوں کو پانی سے سیراب کرے گا۔ حضرت عامر بن کریز رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میرا یہ بیٹا (عبداللہ) پانچ، چھ برس کا رہا ہوگا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈالا تو یہ بچہ بار بار اس لعاب کو منہ میں گھماتا رہا اور پھر بار بار اسے حلق سے اتارتا رہا اس کی یہ حرکت دیکھ کر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہارا یہ بیٹا تو بہت پانی پلانے والا ہوگا۔

عربوں کی زمین ریتلی اور صحراؤں پر مشتمل تھی مگر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشن گوئی پوری ہوتی ہی رہی تاریخ میں آتا ہے کہ یہ عبداللہ پانی حاصل کرنے کی غرض سے کسی زمین پر ٹھوکر بھی مار دیتے تھے تو اس سے چشمہ پھوٹ پڑتا تھا۔ مکہ مکرمہ سے صرف ایک رات کی مسافت پر انہوں نے اپنا باغ لگوایا۔ وہاں بھی زمین سے پانی نکل آیا اور یہ جہاں بھی گئے، عمر بھر ہر مقام پر کنوئیں کھدوا کر لوگوں کو وافر مقدار میں پانی مہیا کرتے رہے۔

یہ حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز صغار صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار کیے جاتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بعد بصرہ کی امارت انہیں عطا فرمائی تھی اور پھر حضرت عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ کے بعد ایران کی امارت بھی انہیں ہی دے دی تھی اس طرح نیشا پور، اصطخر، اردشیر، کرمان، سجستان اور کابل تک کے گردونواح سب آپ کے زیر امارت تھے پھر ان کے دور امارت میں خراسان بھی فتح ہوا۔ تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے یہ ارادہ فرمایا کہ جو زمین اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ پر فتح کروائی ہے، میں اس سے احرام باندھ کر عمرہ ادا کرنے کے لیے حاضری دوں گا چنانچہ انہوں نے نیشا پور سے ہی احرام باندھ لیا اور عمرہ ادا کیا۔ اگرچہ ان کے اتنے طویل مدت

کے لیے احرام باندھنے کی اطلاع جب امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے اسے مناسب نہیں سمجھا۔

ان عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما کی عمر جب بارہ برس کی ہوئی تو انہوں نے والد حضرت عامر بن کریز رضی اللہ عنہ نے ان کی شادی کردی اور پھر اگلے برس جب ان کے ہاں پہلا بیٹا پیدا ہوا تو انہوں نے اس کا نام عبدالرحمٰن بن عبداللہ رکھا۔ اس لیے باپ اور بیٹے کی عمر میں صرف تیرہ برس کا فرق تھا۔[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی معاشرت میں چھوٹی عمر کے بچوں کی شادی، معاشرے کا معمول تھا اور اسے کوئی برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ وگرنہ ان رشتوں اور کم سنی کی اس عمر میں ماں، باپ بننے پر کوئی تو اعتراض کرتا۔ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنے اسی بیٹے عبدالرحمٰن کے نام پر اپنی کنیت ابوعبدالرحمٰن تجویز فرمائی تھی اور پھر ان کا یہی بیٹا عبدالرحمٰن جمل کے موقع پر شہید ہوا تھا۔ رضی اللہ عنہم

③ یہی حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ جب جنگ جمل میں امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں آئے، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس شخصیت کے محاسن کا کھل کر اعتراف کیا اور فرمایا:[2]

میری فوج والو! تم جانتے ہو آج میرا کن سے مقابلہ ہے؟ لوگوں میں سب سے زیادہ مجد وعزت والے اور صحیح معنیٰ میں طاقت ور اور جنگ جو شخص یعنی عبداللہ بن عامر سے، اور سب سے زیادہ بہادر اور دلیر شخص یعنی زبیر سے اور وہ جس کے جنگی

---

[1] فلما قدم رسول اللّٰہ معتمرا عمرة القضاء، حمل إلیه ابن عامر وهو ابن ثلاث سنین، فحکنه، وولد له عبد الرحمن وهو ابن ثلاث عشرة سنة. (سیر أعلام النبلاء، عبداللّٰہ بن عامر، رقم:٦، ج:٣، ص:١٩).

[2] قال علي بن أبي طالب یوم الجمل: أتد رون من حاربت؟ أمجد الناس أو أنجد الناس، یعني ابن عامر، وأشجع الناس یعني الزبیر وأدهی الناس طلحة بن عبیداللّٰہ. (تاریخ دمشق، حرف العین فی اسماء العبادلة، ج:٣١، ص:١٧٥).

داؤ پیچ سے لوگوں کے دل کانپتے ہیں، طلحہ بن عبید اللہ سے (رضی اللہ عنہم)

امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔

جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا، تو کچھ دنوں تک بیمار رہے۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے، ان کی عیادت کے لیے آئے اور فرمایا عبداللہ ہمیں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر طرح کی تکلیف ودکھ سے محفوظ رکھے گا۔ کیونکہ آپ اپنے مہمانوں کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے اور ان لوگوں کے کام آتے تھے اور انہیں مال دیتے تھے، جن لوگوں سے نہ آپ کی کوئی رشتے داری ہوتی تھی، نہ آپ اور وہ ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے تھے اور نہ ہی ان لوگوں کا آپ پر کوئی احسان ہوتا تھا کہ آپ اس کا بدلہ چکا رہے ہوں۔ اپنی حیات طیبہ میں حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ دمشق تشریف لے گئے۔ وہاں پر سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ امیر مقرر تھے۔ انہوں نے ان کا بہت شاندار استقبال کیا اور پھر ان کے اسی قیام کے دوران اپنی بیٹی ھند بنت معاویہ سے ان کی شادی کر دی۔[1]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت سمجھدار اور دانا انسان تھے۔ انہوں نے جب اپنی بیٹی ھند کی شادی کی ہے تو اس بچی کی عمر نو 9 برس تھی۔ انہوں نے اپنی اس بیٹی کی رہائش کے لیے اپنے گھر سے متصل ایک گھر بھی تجویز کیا اور بیٹی کو سمجھایا کہ بیٹی یہ آپ کا شوہر ہے اور آپ دونوں کا تعلق اللہ تعالیٰ نے درست قرار دیا ہے۔ اپنے شوہر کی مانتی رہیں۔[2]

---

[1] فلما خرج قال معاوية لا بنته لا تفعلي فإنما هو زوجك الذي أحله اللّٰه لك.(تاريخ الدمشق الكبيرلا بن عساكر،هند بنت معاوية بن أبي سفيان، رقم :٩٧٨١،ج:٧٤،ص:١٣٨).

[2] ولي البصرة لعثمان، ثم وفد على معاوية ، فزوجه بابنته هند.(سير أعلام النبلاء، عبداللّٰه بن عامر، رقم:٦، ج:٣، ص:١٨)

اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں اس عمر کی بچیوں کی شادی بخوشی کردی جاتی تھی۔آج اگر یہ روایات اور معاشرے کا چلن بدل گیا ہے تو کسی بھی شخص کے لیے آخر یہ کیسے روا ہے کہ اس معاشرے کی اقدار پر اعتراض کرے اگر اس قدر میں لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے یا یہ ظلم ہوتا یا حقوق اللہ کی خلاف ورزی ہوتی تو یہ سب شادیاں کھلے بندوں، دن کی روشنی میں ہوتی تھیں، اس معاشرے کا کوئی فرد تو اعتراض کرتا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اس داماد سے اتنی محبت تھی کہ ان کے انتقال پر فرمایا۔

''عبداللہ اب تمہارے بعد کون سی قابل فخر شخصیت ہمارے خاندان میں بچی ہے؟ اور عبداللہ تمہارے جائے پیچھے، دشمنوں کے مقابلے میں اب ہم کس کو پیش کیا کریں گے؟''[1]

④ حضرت ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ان کی پیدائش ۶۱ھ میں ہوئی اور کتب حدیث میں ان کا تذکرہ بہت مقامات پر ملتا ہے۔کبار تابعین میں سے تھے کیونکہ ان کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت بڑی تعداد میں حیات تھے۔حضرت جابر بن عبداللہ، سہل بن سعد، انس بن مالک اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا دور تھا اس لیے انہوں نے اس دور کو دیکھا بھی اور خوب علم بھی حاصل کیا۔امام حدیث حضرت شعبہ، امام مالک اور سفیان سعید الثوری رحمۃ اللہ علیہم جیسے اکابران کے شاگرد تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے سر پر ہاتھ بھی پھیرا تھا اور ان کے لیے دعا بھی فرمائی تھی۔

حافظ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے حالات میں لکھا ہے کہ علم حدیث میں ان کی روایات غالباً ایک ہزار سے بھی زائد ہیں۔[2]

---

[1] توفي قبل معاوية سنة تسع وخمسين ، فقال معاوية: بمن نفاخر وبمن نباهي بعده.(سير أعلام النبلاء،عبدالله بن عامر، رقم:٦، ج:٣،ص:٢١).

[2] وحديث هشام لعله أزيد من ألف حديث.(سير أعلام النبلاء،هشام بن عروة، رقم:١٢، ج:٦،ص:٤٧).

ان کے دادا یعنی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے یعنی عروہ تو ان کے والد تھے اور ان کے دوسرے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ان (ہشام) کے چچا تھے۔اس لیے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہرت کے ساتھ ساتھ ان کے اس بھتیجے اور باقی خاندان کی شہرت بھی بہت عروج پر پہنچی۔

ایسے ہی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ایک اور بیٹے منذر بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے جو ان کے چچا (منذر بن زبیر) ہی تھے اور انہوں نے اپنی بیٹی فاطمہ بنت منذر بن زبیر رضی اللہ عنہم کا رشتہ اپنے اسی بھتیجے (ہشام بن عروہ بن زبیر) کو دیا تھا۔

تاریخ میں اگر چہ اور روایات بھی ہیں لیکن ابن عدی نے اسماء الرجال پر اپنی مشہور کتاب "الكامل في ضعفاء الرجال" میں لکھا ہے کہ ہشام بن عروہ بن زبیر کی شادی جب اپنی چچا زاد بہن فاطمہ بنت منذر بن زبیر سے ہوئی ہے تو فاطمہ بنت منذر کی عمر نو برس تھی۔[1] 9 حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا خاندان اپنی گونا گوں خصوصیات کی بنا پر مسلمانوں اور عربوں کا مشہور گھرانا تھا۔اگر کم سنی کی شادی اس معاشرے کے لیے کوئی عجیب اور انہونی بات ہوتی تو اس زمانے کے لوگ اعتراض کرتے یا یہ بات اچھالتے لیکن تاریخ کھنگال لیجیے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جو اس قسم کے ازدواجی بندھن پر اعتراض کرتا ہو۔

۵ حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر اور احادیث و آثار کے آئمہ میں سے تھے۔عبداللہ بن صالح مصری ان کے فتاویٰ، احادیث اور روایات کے کاتب تھے۔کتب احادیث میں جہاں بھی عبداللہ بن صالح ابوصالح کاتب اللیث ثنا اللیث بن سعد رحمہم اللہ کی سند آتی ہے اس سے مراد یہی عبداللہ بن صالح ہوتے ہیں۔آئمہ حدیث نے اس سند پر اعتبار کیا ہے اور عبداللہ بن صالح کی

---

[1] حدث عن امرأتي فاطمة بنت المنذر وأدخلت علي وهي بنت تسع سنين، وما رآها رجل حتى لقيت الله.(الكامل فی ضعفاء الرجال،محمد بن اسحاق بن يسار، مدني، رقم:١٦٢٣ ج:٧، ص:٢٥٦).

احادیث سے استناد بھی کیا ہے۔ الغرض یہ تمام حضرات ثقہ اور اپنی باتوں میں سچے تھے۔

امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ انہی عبداللہ بن صالح یعنی اپنے کاتب کی روایت بیان کرتے تھے کہ ایک آدمی ان کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ اس کی دس سالہ بیٹی اُمید سے ہے۔[1]

اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں لوگ اپنی بیٹیوں کو نو 9 سال کی عمر میں بیاہ دیتے تھے اور اس بات میں انہیں کوئی تکلف نہیں ہوتا تھا۔

⑥ حضرت الامام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ اپنی احادیث، روایات اور فقہ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے لگاّ کھاتے تھے۔ دونوں حضرات کا اگرچہ یکساں ادب اور احترام تھا اور اُمت ہمیشہ سے اُن دونوں حضرات کے فضائل ومناقب میں کتابیں تحریر کرتی رہی ہے البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو ایک تو شاگرد ایسے ملے جنہوں نے ان کے علم کو محفوظ رکھا اور پھر مشیت الٰہیہ بھی کارفرما ہوئی اور وہ امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ مقبول عام وخاص ہوئے لیکن امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کو اس پایے کے شاگرد نہ مل سکے جو ان کے علم کو محفوظ رکھ سکتے اور پھر تقدیرات الٰہیہ کی حکمتیں کون جان سکتا ہے؟

یہ حضرت الامام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ اپنے سے چھوٹوں سے بھی روایات بیان کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے یہ کاتب عبداللہ بن صالح مقام ومرتبہ کے اعتبار سے، ان سے چھوٹے تھے مگر انہوں نے انہی سے ایک راویت بیان کی ہے کہ عبداللہ بن صالح فرماتے تھے کہ ہمارے علاقے میں ایک لڑکی کی عمر نو سال کی تھی اور وہ اُمید سے تھی۔[2]

---

[1] حدثنا ابن أبي داود، حدثنا عبدالملك بن شعيب بن اليث، حدثني أبي حدثنى الليث أن أبا صالح حدثه عن رجل أخبره أن ابنة له حملت وهي بنت عشر سنين . (الكامل فى ضعفاء الرجال، عبدالله بن صالح،ابو صالح، كاتب الليث بن سعد مصري، رقم: ١٠١٥، ج:٥،ص:٣٤٣).

[2] حدثنى الليث ، حدثنى كاتبي عبدالله بن صالح أن امرأة في جوارهم حملت وهي بنت تسع سنين.(ايضاً).

اس روایت پر غور کیا جائے تو اس لڑکی کی رخصتی یا تو نو برس میں ہوئی ہوگی اور وہ اسی سال اُمید سے ہوگئی ہوگی اور یا پھر وہ نو 9 برس کی عمر سے بھی کچھ پہلے بالغہ ہوگئی ہوگی۔

امر واقعہ کچھ بھی ہو اس دور کی تاریخ میں ایسے واقعات کا بغیر کسی تنقید کے مل جانا، یہی بتا تا ہے کہ معاشرے میں اس طرح سے نسبت، ناطہ جاری تھا اور یہ رواج چنداں تعجب انگیز یا بُرا نہ مانا جاتا تھا۔

⑦ امام حدیث حضرت ابو عاصم ضحاک بن مخلد بن ضحاک رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور میں شیخ المحدثین کہلاتے تھے۔ حضرت امام مالک، امام ارزاعی اور امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہم جیسے حضرات کے شاگرد تھے اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مایہ ناز مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ اسحٰق بن راھویہ، حارث بن اسامہ، امام ذھلی، اور کوسج جیسے حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ ان کے شاگرد تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ انہی کے متعلق فرماتے تھے کہ میں نے ان سے سنا، فرماتے تھے کہ مجھے جس دن سے یہ پتہ چلا ہے کہ غیبت حرام ہے اس کے بعد سے میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی۔ جو شخص اتنا متقی ہو اس کی احادیث کیوں نہ سرمایۂ اُمت بنیں۔

انہی ابو عاصم ضحاک بن مخلد رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ ایک مرتبہ بصرہ میں ہاتھی لایا گیا۔ لوگوں نے چونکہ ایسا عظیم الجثہ جانور دیکھا نہ تھا اس لیے بہت خلق خدا دیکھنے گئی ان کے استاد ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے شاگرد اور ان کے ہم سبق بھی، یہ تماشا دیکھنے گئے لیکن یہ ہمیشہ کی طرح سبق میں حاضر ہوگئے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے تعجب سے پوچھا کہ ابو عاصم "تمہیں کیا ہوا؟ ہاتھی دیکھنے نہیں گئے"۔ تو ابو عاصم نے عرض کیا کہ اگر آپ سے پڑھنے کا سبق ناغہ ہوگیا تو پھر اس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔ (ہاتھی تو پھر بھی دیکھا جا سکتا ہے) ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

انت نبیل تم تو نبیل (بہت سمجھدار، دانش مند) ہو[1]

---

[1] وقال البخاري: سمعت أبا عاصم يقول: منذ عقلت أن الغيبة حرام، ما أغتبت أحداً قط. ....

ایسے متقی، دانش مند، اور متدین انسان امام ابو عاصم النبیل ضحاک بن مَخْلَدْ بن ضحاک رحمۃ اللہ علیہ خود اپنی پیدائش کے متعلق بیان فرماتے تھے کہ میں ربیع الاول ۱۲۲ھ میں پیدا ہوا تھا اور میری والدہ محترمہ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئی تھیں۔[1]

اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ والدہ صاحبہ اوران کے بیٹے کی عمروں میں (122-110=12) محض بارہ برس کا فرق تھا۔ والدہ صاحبہ کی رخصتی گیارہ برس کی عمر میں ہوگی اور پھر حضرت ابو عاصم النبیل رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت جب ہوئی ہوگی تو وہ بارہ برس کی ہوں گی۔

اس طرح کی جتنی بھی روایات کتب احادیث وتاریخ میں وارد ہوئی ہیں ان سب کا استقصاء مقصود نہیں بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ ہماری اس جدید دنیا میں یہ جوایک نیا بُت اور صنم ''انسانیت'' کے نام سے روشناس کرایا جارہا ہے اور پھر اس خود تراشیدہ، خدا کے پجاری، اس کے نام پر کم عمری کی شادیوں کو ''کفر'' سے کم گناہ قرار دینے پر تیار نہیں ہیں انہیں قدیم تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ خود وحی بھیج رہا تھا اور دن بدن تازہ بتازہ، نو بہ نو، احکامات صادر ہورہے تھے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں یوں ہی نسبت وناطہ جاری تھا۔ اگر یہ حرکت ایسی ہی شنیع وقبیح تھی، جتنا کہ آج اس کا پرچار ہورہا ہے اور جتنا کہ آج اس کے پرچارک، اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ اس آگ سے خود ان کا بھی گھر جل رہا

......وروى أبو عبيد الآجري عن أبي داود قال: كان أبو عاصم يحفظ قدر ألف حديث من جيد حديثه، وكان فيه مزاح ويقال: إنما قيل له: النبيل، لأن فيلاً قدم البصرة، فذهب الناس ينظرون إليه، فقال له ابن جريج: مالك لا تنظر؟ قال: لا أجد منك عوضاً، قال: أنت نبيل. (سير أعلام النبلاء، أبو عاصم، رقم: ۱۷۸، ج:۹،ص:۴۸۲).

[1] قال عمرو بن علي الفلاس: سمعت أبا عاصم يقول: ولدت أُمي سنة عشر ومئة، وولدت أنا في سنة اثنتين وعشرين. (ايضاً، ص:۴۸۳).

ہے، بلا استثناء زبان وقلم کا بے موقع استعمال کر رہے ہیں، تو کیوں نہ اس کے امتناع کے لیے وحی الٰہی حرکت میں آئی اور کیوں نہ اس وقت کے معاشرے نے اس کا احتساب کیا۔

حالانکہ اس وقت کے معاشرے کی حالت یہ تھی کہ اس میں ہر طرح کے لوگ جی رہے تھے صرف وہی نہیں تھے جو حضرت صاحب الرسالۃ علیہ الصلاۃ پر ہزار جان سے نثار تھے، وہاں منافقین، یہود مدینہ اور مشرکین مکہ کے پورے پورے گروہ موجود تھے، جن کی کڑی نظریں ہر ہر لمحہ حضرت رسالت مآب ﷺ کا تعاقب کرنے کو ہر جا موجود تھیں۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تکتے تھے کہ کہیں کسی بات کو بتنگڑ بنانے کا موقع ملے۔ حضرت ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح پر کیا ہوا تھا؟ ان کی شادی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور وہ حضرت رسالت مآب ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ کے یہ منہ بولے بیٹے حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دیں اور پھر آپ کا نکاح آپ کی اس منہ بولی بہو کے ساتھ کر دیا جائے تاکہ عربوں کے معاشرے میں ان منہ بولے رشتوں کی بدرسم کی جو اہمیت — حتی کہ اصل رشتوں سے — بھی بڑھ گئی تھی، اس رسم بد کا خاتمہ کیا جائے اور وہ بھی آپ کے ہاتھوں ہی اس کا خاتمہ ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود آپ کا نکاح، ان منہ بولی بہو (جو کہ درحقیقت آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں) سے کر دیا۔

اس موقع پر منافقین مدینہ اور مشرکین مکہ نے جو طوفان بدتمیزی برپا کیا اور جو شور اٹھا ہے کہ ''لو اب محمد (ﷺ) نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا'' تو سرزمین عرب کا کون سا گوشہ تھا جہاں ان اعتراضات کی آواز نہ پہنچی ہو۔ مفسرین نے سورۂ احزاب کی تفسیر میں اور مؤرخین نے ۵ھ کے واقعات میں ان الزامات اور حقائق کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

تو وہ معاشرہ جو حضرت رسالت مآب ﷺ سے خار کھائے بیٹھا تھا، اس نکاح کے موقع پر یوں الزام تراشی پر اتر آیا جیسے کوئی پچھلا قرض چکانا ہے، تو کم سنی کی شادی اس معاشرے یا دور کے اعتبار سے کوئی اچھنبے کی چیز ہوتی تو یہ لوگ اور معاشرہ کوئی خاموش رہنے والے تھے؟ لیکن آپ تمام تاریخ کھنگال

جا یئے مجال ہے کہ اس طرح کی تزویج پر کوئی ایک حرف اعتراض کسی نے کہا ہو یا کہیں سے کوئی ایک آواز بھی اس کی مخالفت میں اُٹھی ہو۔

یاد رکھنا چاہیے کہ معاشرے کا رواج، قانون سے زیادہ موثر ہوتا ہے۔اس لیے اگر کسی سوسائٹی میں یہ رسم ورواج بغیر کسی روک ٹوک کے جاری تھا تو آج ڈیڑھ ہزار برس کے بعد انہیں مورد الزام نہیں ٹھہرانا چاہیے۔

سچ بولنا بڑا خطرناک ہے، سچ سے زیادہ کوئی شے کڑوی نہیں ۔سچ بہر حال سچ ہے ۔لیکن ہر وقت اور ہر مقام پر سچ بولنا مخصوص سیاسیات میں ،مہلک بھی ہے اور مضر بھی ! سچ کے لیے ہمیشہ دو کی ضرورت ہوتی ہے۔ایک وہ جو سچ بولے، دوسرا وہ جو سچ سُنے ۔سچ تب ہی مکمل ہوتا ہے۔

یہاں سچ بولنے والے کم ہیں لیکن سچ سُننے والے کمیاب ہیں، بلکہ نایاب۔اکثر سچائیاں صرف اس لیے ناکام ہوگئیں کہ ان کے پاس طاقت نہ تھی۔ بیشتر جھوٹ اس لیے سچ ہوگئے کہ انہیں طاقت نے پروان چڑھایا۔

''آخری فتح سچ کی ہوتی ہے۔'' ہمارے دور میں یہ مقولہ کبھی بار آور نہیں ہوا۔

''سانچ کو آنچ نہیں'' توفی زمانہ اس قسم کے خوبصورت فقرے کتابوں کے صفحات پر ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔حقائق سے ان کا برائے نام تعلق ہے۔تاریخ بجائے خود کوئی شے نہیں۔وہ ان حالات وواقعات اور حادثات وسانحات کے مجموعے پھر تجزیئے کا نام ہے جو ایک خاص عہد میں ایک خاص معاشرہ کو پیش آتے ہیں۔

آج کل سچائی قوت کی مرضی اور حق طاقت کی خواہش کا نام ہوگیا ہے۔

(آغا شورش کاشمیری، بوئے گل، نالہ دل، دُودِ چراغ محفل، ص: ۱۹۵)